

سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کے فروغ میں تعلیم کا کردار:

اسلامی تعلیمات اور معاصر تناظر کا تجزیاتی مطالعہ

The Role of Education in Promoting Social Cohesion and Religious Tolerance: An Analytical Study in the Light of Islamic Teachings and the Contemporary Context

Amna Bibi

MPhil Scholar,

Islamic Studies and Religious Affairs, University of Malakand

Email: komalbano146@gmail.com

Dr. Badshah Rehman

Associate Professor in Islamic Studies, University of Malakand

Email: badshahrehman@uom.edu.pk

Sulaiman Kaka Khel

MPhil Scholar,

Islamic Studies and Religious Affairs, University of Malakand

Email: sulaimankakakhel@gmail.com

Abstract

Education plays a significant role in shaping individuals' intellectual, moral, and social attitudes and can therefore contribute substantially to the promotion of social cohesion and religious tolerance. In contemporary societies characterized by religious, cultural, and ideological diversity, the absence of tolerance may lead to prejudice, discrimination, social fragmentation, and conflict. This study analytically examines the role of education in promoting social cohesion and religious tolerance in the light of Islamic teachings and the contemporary educational context. It explores the Qur'anic and Prophetic principles related to human dignity, justice, religious freedom, peaceful coexistence, respect for others, dialogue, and ethical conduct in situations of religious difference. The study further analyzes the role of curriculum, textbooks, teachers, pedagogical approaches, critical thinking, empathy, and interfaith dialogue in developing tolerant and cohesive societies. The research argues that education in itself does not necessarily guarantee religious tolerance; rather, its impact depends on the objectives, content, methodology, and overall educational environment through which knowledge and values are transmitted. An inclusive and dialogue-oriented educational system can reduce prejudice, develop respect for diversity, and enable learners to engage constructively with people of different religious and cultural

backgrounds. Conversely, biased curricula, stereotypes, and non-dialogical teaching practices may reinforce intolerance and social divisions. The study concludes that integrating Islamic ethical principles with contemporary educational approaches can provide an effective framework for fostering religious tolerance, peaceful coexistence, and sustainable social cohesion.

Keywords: Education, Social Cohesion, Religious Tolerance, Islamic Teachings, Interfaith Dialogue, Peaceful Coexistence, Curriculum, Critical Thinking, Human Dignity, Moral Education

تمہید

موجودہ دور میں دنیا مختلف مذہبی، ثقافتی، لسانی اور فکری گروہوں کے باہمی تعامل کا ایک وسیع میدان بن چکی ہے۔ عالمی سطح پر ذرائع ابلاغ، جدید مواصلاتی ذرائع، ہجرت اور بین الاقوامی روابط نے مختلف معاشروں اور تہذیبوں کے درمیان قربت میں اضافہ کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ مذہبی تعصب، ثقافتی کشمکش، انتہا پسندی، امتیازی رویوں اور باہمی عدم اعتماد جیسے مسائل بھی نمایاں ہوئے ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں افراد اور گروہوں کا اختلاف مذہب و فکر ایک فطری حقیقت ہے، تاہم یہ اختلاف اس وقت سماجی مسئلہ بن جاتا ہے جب وہ دوسرے کے وجود، عقیدے، شناخت یا حقوق کے انکار اور نفرت و تصادم کا ذریعہ بن جائے۔ اس لیے پائیدار معاشرتی استحکام کے لیے ایسی فکری اور اخلاقی بنیادوں کی ضرورت ہے جو اختلاف کے باوجود احترام، عدل، مکالمے اور بقائے باہمی کو فروغ دے سکیں۔

اسلام نے انسانی معاشرے کو محض مذہبی وابستگی کی بنیاد پر تقسیم کرنے کے بجائے انسانی کرامت، عدل، احسان اور باہمی تعارف و تعاون جیسے اصولوں پر قائم کرنے کی تعلیم دی ہے۔ قرآن مجید انسان کی عمومی تکریم کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ (سورة الاسراء: 70)، یعنی ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔ اسی طرح مختلف اقوام اور قبائل کی تشکیل کو باہمی تعارف کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾ (سورة الحجرات: 13)۔ اس قرآنی تصور میں انسانی تنوع کو محض تقسیم اور نزاع کا سبب نہیں بلکہ باہمی شناخت اور تعامل کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح مذہبی معاملات میں جبر کی نفی، عدل و احسان کی تاکید اور مخالفین کے ساتھ بھی اخلاقی حدود کی پابندی اسلامی معاشرتی تصور کے نمایاں اصول ہیں۔ تاہم اسلامی تعلیمات کا معاشرتی اثر صرف ان اصولوں کے نظریاتی بیان سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان اقدار کو فرد کی شخصیت اور اجتماعی رویوں میں منتقل کرنے کے لیے مؤثر تربیتی نظام ضروری ہے، اور اس سلسلے میں تعلیم بنیادی کردار

ادا کرتی ہے۔ تعلیم انسان کے فکری رجحانات، اخلاقی تصورات، سماجی رویوں اور دوسروں کے بارے میں اس کے تصورات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر تعلیمی نظام فرد کے اختلاف کو سمجھنے، دلیل کے ساتھ سوچنے، دوسرے کے نقطہ نظر کو سننے اور انسانی حقوق کا احترام کرنے کی تربیت دیتا ہے تو وہ معاشرے میں رواداری اور باہمی اعتماد کے فروغ کا مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر تعلیم تعصب، stereotypes، نفرت یا "اپنے" اور "دوسرے" کے درمیان غیر ضروری فاصلے کو بڑھانے کا ذریعہ بن جائے تو وہ سماجی تقسیم کو کم کرنے کے بجائے مزید مضبوط کر سکتی ہے۔

اسی تناظر میں سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کے فروغ میں تعلیم کے کردار کا جائزہ نہایت اہم ہو جاتا ہے۔ سماجی ہم آہنگی سے مراد ایسا معاشرتی ماحول ہے جس میں مختلف گروہوں کے افراد باہمی اعتماد، احترام، تعاون اور مشترکہ ذمہ داری کے احساس کے ساتھ زندگی گزار سکیں، جبکہ مذہبی رواداری سے مراد مذہبی اختلاف کے باوجود دوسرے کے مذہبی وجود، بنیادی حقوق اور انسانی وقار کا احترام ہے۔ اس مفہوم میں رواداری کا مطلب تمام مذہبی عقائد کو یکساں درست قرار دینا نہیں، بلکہ اختلاف عقیدہ کے باوجود عدل، احترام اور پُر امن بقائے باہمی کے اصولوں کو برقرار رکھنا ہے۔ تعلیم اس مقصد کے حصول میں کئی سطحوں پر کردار ادا کر سکتی ہے۔ نصاب طلبہ کو مذہب، معاشرے اور مختلف گروہوں کے بارے میں تصورات فراہم کرتا ہے؛ درسی کتب ان تصورات کو مخصوص تعبیرات اور مثالوں کے ذریعے تشکیل دیتی ہیں؛ استاد ان معلومات کی تشریح اور عملی تطبیق کرتا ہے؛ جبکہ درسی ماحول طلبہ کو اختلاف، مکالمے اور باہمی تعامل کا عملی تجربہ فراہم کرتا ہے۔ اسی لیے مذہبی رواداری کے فروغ کے لیے صرف نصاب میں رواداری کے الفاظ شامل کر دینا کافی نہیں، بلکہ تعلیمی عمل کے پورے ڈھانچے میں احترام، مکالمہ، تخلیقی سوچ اور انصاف کو عملی طور پر فروغ دینا ضروری ہے۔ معاصر تعلیمی مباحث میں بھی تعلیم برائے امن، بین الثقافتی تعلیم، عالمی شہریت کی تعلیم اور بین المذاہب مکالمے جیسے تصورات اسی ضرورت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان طریقہ ہائے کار کا بنیادی مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو مختلف ثقافتی اور مذہبی پس منظر رکھنے والے لوگوں کے ساتھ مثبت اور تعمیری انداز میں تعامل کر سکیں۔ اس اعتبار سے اسلامی تعلیمات اور جدید تعلیمی تصورات کے درمیان کئی ایسے مشترک پہلو موجود ہیں جن کا علمی و تجزیاتی مطالعہ سماجی ہم آہنگی کے لیے ایک جامع تعلیمی خاکہ تشکیل دینے میں مددگار ہو سکتا ہے۔

زیر نظر مقالے میں اسی مسئلے کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔ تحقیق کے پہلے مرحلے میں سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کے مفہیم اور ان کے باہمی تعلق کو واضح کیا جائے گا۔ اس کے بعد قرآن و سنت کی روشنی میں انسانی

کرامت، عدل، مذہبی آزادی، حسن گفتگو، باہمی احترام اور پُر امن بقائے باہمی کے اصولوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ بعد ازاں تعلیم کے اخلاقی و سماجی کردار، نصاب، درسی کتب، استاد اور تدریسی طریقہ کار کے اثرات کا تجزیہ کیا جائے گا۔ آخر میں اسلامی تعلیمات اور معاصر تعلیمی منہج کے تقابلی مطالعے کی روشنی میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ تعلیم کس طرح مذہبی رواداری اور سماجی ہم آہنگی کے فروغ کا مؤثر ذریعہ بن سکتی ہے اور کن حالات میں بھی تعلیم عدم برداشت اور سماجی تقسیم کو بھی تقویت دے سکتی ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ تعلیم محض معلومات کی منتقلی کا عمل نہیں بلکہ فرد کی فکری، اخلاقی اور سماجی تشکیل کا ذریعہ ہے؛ لہذا اس کے مقاصد، نصاب، تدریسی منہج اور تعلیمی ماحول کو انسانی کرامت، عدل، مکالمے، تنوع کے احترام اور پُر امن بقائے باہمی کے اصولوں سے ہم آہنگ کیا جائے تو تعلیم سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کے فروغ میں مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔

سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری: مفہوم و نظریاتی اساس

سماجی ہم آہنگی (Social Cohesion) اور مذہبی رواداری (Religious Tolerance) عصر حاضر میں پُر امن اور مستحکم معاشرے کی تشکیل کے لیے بنیادی تصورات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مختلف مذہبی، ثقافتی، نسلی اور فکری گروہوں پر مشتمل کثیر الجہات معاشرے میں محض ایک جگہ رہنا سماجی ہم آہنگی کے لیے کافی نہیں، بلکہ افراد اور گروہوں کے درمیان اعتماد، باہمی احترام، شمولیت، تعاون اور اجتماعی مفاد کے لیے مشترکہ ذمہ داری کا احساس بھی ضروری ہے۔ معاصر علمی لٹریچر میں سماجی ہم آہنگی کو عموماً ایسے سماجی تعلقات اور رویوں کے مجموعے کے طور پر دیکھا جاتا ہے جن میں باہمی اعتماد، جامع اجتماعی شناخت اور مشترکہ مفاد کے لیے تعاون بنیادی عناصر ہیں^(۱)۔ لغوی اعتبار سے ”ہم آہنگی“ میں باہمی موافقت، میل جول اور تعلق کا مفہوم پایا جاتا ہے، جب کہ اصطلاحی طور پر سماجی ہم آہنگی سے مراد معاشرے کے مختلف افراد اور گروہوں کے درمیان ایسے مثبت تعلقات ہیں جو اختلافات کے باوجود اجتماعی وحدت اور تعاون کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ تمام افراد کے خیالات، عقائد اور مفادات یکساں ہوں؛ اصل مطلوب و مقصود یہ ہے کہ اختلاف کے باوجود وہ ایک دوسرے کو معاشرے کا جائز حصہ سمجھیں، ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں اور مشترکہ اجتماعی مفاد کے لیے تعاون کریں۔ اسی لیے سماجی ہم آہنگی کو محض یکسانیت کے بجائے تنوع کے اندر اجتماعی وحدت سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے۔ معاصر تحقیق میں بھی سماجی ہم آہنگی کے افقی پہلو میں افراد و گروہوں کے باہمی تعلقات اور عمودی پہلو میں افراد، گروہوں اور اداروں کے تعلقات کو شامل کیا گیا ہے^(۲)۔ اسی طرح Tolerance کے لیے اردو میں ”رواداری“ اور عربی میں ”تسامح“ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ عربی میں ”تسامح“ مادہ س م ح سے مشتق ہے، جس کے بنیادی معانی نرمی، آسانی،

وسعت، سخاوت اور معاملے میں سہولت پیدا کرنے کے ہیں؛ ”تسامح“ کے معنی باہمی طور پر نرمی اور سہولت اختیار کرنا بھی آتے ہیں⁽³⁾۔ جدید اصطلاح میں مذہبی رواداری سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے مذہبی عقیدے پر قائم رہتے ہوئے دوسرے مذہب کے پیروکاروں کے انسانی وقار، بنیادی حقوق اور مذہبی وجود کا احترام کرے اور اختلافِ عقیدہ کو ظلم، تحقیر، امتیاز یا جبر کا سبب نہ بنائے۔ UNESCO کی **Declaration of Principles on Tolerance** کے مطابق رواداری مختلف ثقافتوں، طرزِ اظہار اور انسانی طریقہ ہائے زندگی کے احترام، قبولیت اور قدر شناسی کا نام ہے؛ اس کا مطلب اپنے عقائد سے دست برداری نہیں بلکہ اس بات کو تسلیم کرنا ہے کہ دوسرے افراد بھی اپنے عقائد رکھنے کا حق رکھتے ہیں⁽⁴⁾۔

یہاں مذہبی رواداری کو چند متعلقہ اصطلاحات سے الگ سمجھنا ضروری ہے۔ Religious Pluralism سے مراد مذہبی تنوع کی موجودگی اور اس تنوع کے سماجی و فکری اعتراف سے ہے، جب کہ Religious Tolerance کا بنیادی تعلق مختلف مذہبی گروہوں کے ساتھ احترام اور عدم جبر کے رویے سے ہے۔ اسی طرح Interfaith Dialogue یعنی بین المذاہب مکالمہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان منظم گفتگو، باہمی فہم اور مشترکہ مسائل پر تعاون کا عمل ہے۔ Peaceful Coexistence یا پُر امن بقائے باہمی اس وسیع تر عملی صورتِ حال کو کہتے ہیں جس میں مختلف گروہ اپنے اختلافات کے باوجود امن، قانون، باہمی احترام اور عدم تشدد کے اصولوں کے تحت ایک معاشرے میں زندگی گزارتے ہیں۔ یوں یہ چاروں تصورات باہم مربوط ضرور ہیں، لیکن مترادف نہیں۔ کونسل آف یورپ کے *White Paper on Intercultural Dialogue* میں بھی تنوع کو برقرار رکھتے ہوئے سماجی ہم آہنگی کے لیے باہمی احترام، انسانی وقار اور مکالمے کو بنیادی عناصر قرار دیا گیا ہے⁽⁵⁾۔ سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کا تعلق باہمی اور تکمیلی نوعیت کا ہے۔ مذہبی اختلاف اگر تعصب، خوف، اخراج اور باہمی عدم اعتماد میں تبدیل ہو جائے تو سماجی ہم آہنگی متاثر ہوتی ہے، جب کہ مذہبی رواداری مختلف گروہوں کے درمیان اعتماد اور قبولیت کی فضا پیدا کر کے اجتماعی تعلق کو مضبوط کرتی ہے۔ اس کے برعکس مضبوط سماجی ہم آہنگی بھی مذہبی گروہوں کو اپنے اختلافات کو پُر امن طریقے سے منظم کرنے اور مشترکہ اجتماعی مفادات کے لیے تعاون کا موقع فراہم کرتی ہے۔ اسی بنا پر UNESCO نے تعلیم کو سماجی ہم آہنگی، پُر امن بقائے باہمی اور مختلف ثقافتوں، عقائد اور مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے درمیان مکالمے کے فروغ کا اہم ذریعہ قرار دیا ہے⁽⁶⁾۔

اسلامی اور معاصر تصور میں ایک اہم قدرِ مشترک یہ ہے کہ دونوں انسانی معاشرے میں اختلاف اور تنوع کے باوجود باہمی احترام اور پُر امن تعلقات کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں۔ تاہم اسلامی تصورِ رواداری اسے محض

سماجی ضرورت کے بجائے اخلاقی اور دینی ذمہ داری کے ساتھ بھی مربوط کرتا ہے، جبکہ معاصر تصور میں انسانی حقوق، مساوات، آزادی، pluralism اور inclusive citizenship جیسے اصول نمایاں ہیں۔ اس لیے اسلامی تناظر میں مذہبی رواداری کا مطلب اپنے عقائد سے دست برداری یا حق و باطل کے فرق کو ختم کرنا نہیں، بلکہ عقیدے کی پابندی کے ساتھ دوسروں کے جائز حقوق، انسانی وقار اور پُر امن معاشرتی وجود کا احترام کرنا ہے۔ یہی توازن اس تحقیق میں مذہبی رواداری کے مفہوم کی بنیادی اساس قرار پائے گا۔ آئندہ بحث میں اسی نظریاتی بنیاد کی روشنی میں اسلامی تعلیمات میں سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کے قرآنی و نبوی اصولوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

اسلامی تعلیمات میں سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری

اسلامی تعلیمات میں سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری محض معاشرتی مصلحت نہیں بلکہ انسانی زندگی کے بنیادی اخلاقی اور دینی اصولوں سے وابستہ ہیں۔ قرآن مجید انسانوں کے درمیان تنوع کو ایک فطری حقیقت قرار دیتے ہوئے باہمی تعارف اور تعلق کو اس کا مثبت مقصد قرار دیتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾ (الحجرات: 13)۔ اس آیت میں انسانی تنوع کو نزاع اور تفریق کے بجائے ”تعارف“ سے جوڑا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن انسان کے عمومی انسانی وقار کو بھی تسلیم کرتا ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ (الإسراء: 70)۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی احترام کی بنیادی قدر مذہبی اور گروہی اختلافات سے ماوراء ایک عمومی اخلاقی اصول ہے۔

اسلامی تصور معاشرت میں عدل سماجی ہم آہنگی کی بنیادی اساس ہے۔ قرآن مجید اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ کسی قوم یا گروہ سے دشمنی انہیں انصاف سے منحرف نہ کرے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا﴾ (المائدہ: 8)۔ اس اصول کی اہمیت یہ ہے کہ اسلام نے عدل کو صرف ہم خیال یا ہم مذہب افراد تک محدود نہیں رکھا بلکہ اختلاف اور دشمنی کی صورت میں بھی انصاف کو لازم قرار دیا ہے۔ ابن عاشور اس آیت کے تحت واضح کرتے ہیں کہ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے جذبات اور دشمنی کو حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بننے دے⁽⁷⁾۔ مذہبی رواداری کے حوالے سے قرآن کا ایک بنیادی اصول عدم جبر ہے: ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ (البقرة: 256)۔ اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ مذہبی ایمان کو زبردستی کسی شخص پر مسلط نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن مجید مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں بھی ایک متوازن رویہ اختیار کرتا ہے۔ وہ دعوت کے لیے حکمت اور حسن موعظت کی ہدایت دیتا ہے: ﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (النحل: 125)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف عقیدہ کی موجودگی

میں بھی مکالمے کا طریقہ حکمت، شائستگی اور حسن گفتگو پر قائم ہونا چاہیے۔ قرآن مجید مذہبی اختلاف کے باوجود دوسروں کے مقدسات کی توہین سے بھی روکتا ہے: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الأنعام: 108)۔ یہ آیت مذہبی اختلاف کے آداب کا ایک اہم اصول فراہم کرتی ہے کہ اپنے عقیدے کے اظہار کے لیے دوسرے مذاہب یا ان کے مقدسات کی تحقیر اختیار نہ کی جائے۔ امام طبری اس آیت کی تفسیر میں اس ممانعت کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں مخالف فریق جہالت اور زیادتی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی شان میں نازیبا کلمات کہہ سکتا ہے⁽⁸⁾۔

اسلامی تعلیمات میں مذہبی رواداری صرف نظری اصول نہیں بلکہ عملی معاشرتی رویے سے بھی وابستہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مذہبی گروہوں کے ساتھ معاملات میں عدل، عہد کی پابندی اور انسانی احترام کے اصولوں کو ملحوظ رکھا۔ مدینہ منورہ میں مختلف قبائل اور مذہبی گروہوں کے باہمی تعلقات کو منظم کرنے والی میثاق مدینہ اس حوالے سے ایک اہم تاریخی مثال ہے، جس میں مختلف گروہوں کے حقوق اور اجتماعی ذمہ داریوں کو باقاعدہ نظم کے تحت لایا گیا⁽⁹⁾۔ اسی طرح صحیح بخاری میں غیر مسلم جنازے کے گزرنے پر رسول اللہ ﷺ کے کھڑے ہونے کا واقعہ منقول ہے؛ جب عرض کیا گیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: أَلَيْسَتْ نَفْسًا؟ (کیا وہ ایک جان نہیں؟)⁽¹⁰⁾۔ یہ واقعہ انسانی احترام کے اس پہلو کو نمایاں کرتا ہے جو مذہبی اختلاف کے باوجود برقرار رہتا ہے۔

اسلامی معاشرتی تصور میں تعاون بھی اجتماعی ہم آہنگی کا اہم اصول ہے۔ قرآن مجید کا حکم ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدہ: 2)۔ اس اصول کی روشنی میں مختلف افراد اور گروہوں کے درمیان مشترکہ خیر، عدل، امن اور انسانی فلاح کے کاموں میں تعاون کی گنجائش موجود ہے، خواہ ان کے درمیان بعض فکری یا مذہبی اختلافات پائے جاتے ہوں۔ چنانچہ اسلامی تصور رواداری کا بنیادی ڈھانچہ عقیدے کی وضاحت کے ساتھ انسانی احترام، عدل، عدم جبر، حسن مکالمہ اور مشترکہ خیر میں تعاون پر قائم ہے۔ اس پورے تصور کا اہم پہلو یہ ہے کہ اسلامی رواداری کو مذہبی امتیازات کے خاتمے یا تمام مذاہب کو یکساں طور پر درست قرار دینے کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا۔ اسلام اپنے عقیدے اور دینی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے دوسرے انسانوں کے حقوق اور وقار کے احترام کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہی توازن اسلامی تصور کو ایک طرف مذہبی شناخت کے تحفظ اور دوسری طرف پُر امن بقائے باہمی کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اس لیے تعلیم اگر اسلامی اصولوں کی روشنی میں سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری پیدا کرنا چاہتی ہے تو اسے محض مذہبی معلومات کی منتقلی تک محدود رکھنے کے بجائے عدل،

انسانی کرامت، احترام، اختلاف، مکالمہ، اخلاقی ذمہ داری اور مشترکہ انسانی مفاد جیسے اقدار کی تربیت کا ذریعہ بنانا ہوگا۔ یہی نکتہ تعلیم کے عملی کردار کی بحث کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

سماجی ہم آہنگی کے فروغ میں تعلیم کا کردار

تعلیم فرد کی فکری اور اخلاقی تشکیل کے ساتھ اس کے سماجی رویوں پر بھی گہرا اثر ڈالتی ہے۔ انسان اپنے ارد گرد کے افراد، گروہوں اور معاشرتی اقدار کے بارے میں بہت سے تصورات تعلیمی عمل کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ اس لیے تعلیم کو صرف معلومات اور مہارتوں کی منتقلی تک محدود نہیں کیا جاسکتا؛ یہ فرد میں دوسروں کے ساتھ تعلق قائم کرنے، اختلاف کو سمجھنے اور اجتماعی زندگی میں ذمہ دارانہ کردار ادا کرنے کی صلاحیت بھی پیدا کرتی ہے۔ UNESCO کے مطابق تعلیم سماجی ہم آہنگی اور پُر امن بقائے باہمی کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتی ہے، بالخصوص جب تعلیمی عمل مختلف ثقافتوں اور عقائد سے تعلق رکھنے والے افراد کے درمیان باہمی فہم اور مکالمے کو فروغ دے⁽¹¹⁾۔

سماجی ہم آہنگی کے فروغ میں تعلیم کا پہلا اہم کردار "مشترکہ انسانی اقدار کی تربیت" ہے۔ انسانی کرامت، عدل، مساوات، احترام، تعاون، ذمہ داری اور عدم تشدد جیسی اقدار کسی بھی پُر امن معاشرے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر تعلیمی ادارے طلبہ کو محض علمی معلومات فراہم کرنے کے بجائے ان اقدار کو عملی زندگی سے جوڑ کر سمجھائیں تو مختلف سماجی اور مذہبی گروہوں کے درمیان اعتماد اور باہمی احترام کی بنیاد مضبوط ہو سکتی ہے۔ اس طرح تعلیم فرد میں صرف ذاتی کامیابی کا جذبہ پیدا نہیں کرتی بلکہ اسے دوسروں کے حقوق، معاشرتی ذمہ داری اور اجتماعی مفاد کا احساس بھی دلاتی ہے۔ خاص طور پر متنوع معاشروں میں یہ تربیت اس لیے اہم ہے کہ مختلف مذہبی، ثقافتی اور فکری پس منظر رکھنے والے افراد کے درمیان باہمی تعلقات محض قانونی ضوابط سے نہیں بلکہ احترام، اعتماد اور تعاون جیسی اقدار سے مضبوط ہوتے ہیں۔ جان ڈیوی کے نزدیک تعلیم جمہوری معاشرت کی تشکیل کا ایک بنیادی ذریعہ ہے، کیونکہ تعلیمی تجربات فرد کو اجتماعی زندگی میں شرکت، تعاون اور دوسروں کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے قابل بناتے ہیں⁽¹²⁾۔ تعلیمی اداروں میں مشترکہ انسانی اقدار کی تربیت اس وقت زیادہ مؤثر ہوتی ہے جب انہیں محض نصابی ابواب یا اخلاقی اصولوں کے طور پر بیان کرنے کے بجائے طلبہ کے عملی رویوں سے مربوط کیا جائے۔ کلاس روم میں باہمی احترام، اختلاف رائے کو برداشت کرنا، دوسروں کی بات سننا، مشترکہ سرگرمیوں میں تعاون کرنا اور تنازعات کو پُر امن طریقے سے حل کرنا دراصل انہی اقدار کی عملی تربیت ہے۔ اس سے طلبہ میں یہ شعور پیدا ہوتا ہے کہ اختلاف انسانی معاشرے کا فطری حصہ ہے، لیکن اختلاف کو دشمنی، تعصب یا نفرت میں تبدیل کرنا ضروری نہیں۔

چنانچہ تعلیم اگر علم کے ساتھ اخلاقی تربیت اور اجتماعی ذمہ داری کا شعور پیدا کرے تو وہ ایسے افراد تیار کر سکتی ہے جو اپنے مذہبی اور فکری تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے دوسروں کے حقوق اور انسانی وقار کا احترام کریں۔ یہی رویہ سماجی فاصلے کم کرنے، باہمی اعتماد بڑھانے اور مختلف گروہوں کے درمیان پُر امن بقائے باہمی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

تعلیم کا دوسرا اہم کردار "اختلاف کو مثبت انداز میں سمجھنے کی صلاحیت" پیدا کرنا ہے۔ سماجی تنوع میں اختلاف ایک فطری حقیقت ہے، لیکن جب افراد کو اختلاف رائے کے آداب، تنقیدی فکر اور مکالمے کی تربیت حاصل نہ ہو تو معمولی اختلاف بھی تعصب اور کشیدگی کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کے برعکس ایسا تعلیمی ماحول جہاں طلبہ مختلف آرا کو سننے، سوال کرنے، دلیل کا جائزہ لینے اور اختلاف کے باوجود احترام برقرار رکھنے کی تربیت حاصل کریں، معاشرے میں برداشت اور مکالمے کی ثقافت پیدا کرتا ہے۔ UNESCO بھی تعلیم میں critical thinking، openness اور باہمی افہام و تفہیم کو عدم برداشت کے مقابلے میں اہم ذرائع قرار دیتا ہے⁽¹³⁾۔ اختلاف کو مثبت انداز میں سمجھنے کی تربیت طلبہ کو یہ شعور فراہم کرتی ہے کہ ہر اختلاف لازماً مخالفت یا دشمنی کی علامت نہیں ہوتا۔ مختلف افراد کے مذہبی، ثقافتی اور فکری پس منظر ان کے نقطہ نظر پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، اس لیے کسی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اس کے حامل فرد کے احترام کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔ تعلیمی اداروں میں مباحثے، سوال و جواب، گروہی سرگرمیوں اور مختلف نقطہ نظر کے تقابلی مطالعے کے ذریعے طلبہ میں یہ صلاحیت پیدا کی جاسکتی ہے کہ وہ جذباتی رد عمل کے بجائے دلیل اور فہم کی بنیاد پر اختلاف کریں۔ اس طرح تعلیم تعصب اور کشیدگی کے امکانات کو کم کر کے باہمی احترام، برداشت اور تعمیری مکالمے کو فروغ دیتی ہے۔

تیسرا پہلو "دوسرے مذہبی اور ثقافتی گروہوں کے بارے میں مثبت اور متوازن فہم" پیدا کرنا ہے۔ تعلیمی نصاب میں اگر کسی مذہب، ثقافت یا گروہ کی تصویر یک طرفہ، تحقیر آمیز یا تعصبانہ انداز میں پیش کی جائے تو یہ طلبہ کے ذہن میں منفی تصورات پیدا کر سکتی ہے۔ اس کے برعکس علمی دیانت کے ساتھ مختلف مذہبی و ثقافتی روایات کا تعارف، ان کے پیروکاروں کے انسانی حقوق اور معاشرتی کردار کا متوازن بیان، طلبہ میں غیر ضروری خوف اور تعصب کو کم کر سکتا ہے۔ بین الثقافتی تعلیم کے حوالے سے UNESCO اس بات پر زور دیتا ہے کہ تعلیم کو مختلف ثقافتوں اور عالمی تنوع کے احترام، مکالمے اور باہمی افہام و تفہیم کو فروغ دینا چاہیے⁽¹⁴⁾۔ اس سلسلے میں تعلیمی نصاب کی ذمہ داری صرف دوسرے مذاہب اور ثقافتوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنا نہیں بلکہ طلبہ میں ان کے بارے میں "متوازن اور غیر متعصبانہ رویہ" پیدا کرنا بھی ہے۔ جب طلبہ مختلف گروہوں کی مذہبی و ثقافتی شناخت،

روایات اور معاشرتی کردار کو علمی انداز میں سمجھتے ہیں تو ان کے اندر قائم شدہ عمومی تصورات اور غیر ضروری خوف پر نظر ثانی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے ”ہم“ اور ”وہ“ کی تقسیم کم ہوتی اور مختلف گروہوں کے ساتھ باہمی تعامل کے امکانات بڑھتے ہیں۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ تعلیم اپنے مذہبی یا فکری اصولوں سے دست بردار ہو جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کے وجود، حقوق اور مذہبی و ثقافتی شناخت کا احترام کیا جائے۔ یہی متوازن فہم سماجی ہم آہنگی، باہمی اعتماد اور پُر امن بقائے باہمی کے لیے زیادہ مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

چوتھا اہم کردار ”مکالمے اور مشترکہ مسائل پر تعاون“ کی تربیت ہے۔ مذہبی رواداری کا عملی تقاضا یہ نہیں کہ اختلافات کو ختم کر دیا جائے، بلکہ یہ ہے کہ اختلاف کے باوجود مشترکہ انسانی مسائل کے حل کے لیے گفتگو اور تعاون کے راستے کھلے رہیں۔ تعلیمی ادارے اس مقصد کے لیے مباحث، گروہی سرگرمیوں، مشترکہ منصوبوں اور مختلف پس منظر رکھنے والے طلبہ کے باہمی تعامل کو استعمال کر سکتے ہیں۔ ایسے تجربات طلبہ کو یہ سکھاتے ہیں کہ مختلف عقائد اور نقطہ نظر رکھنے والے افراد بھی امن، انسانی فلاح، انصاف اور معاشرتی بہبود جیسے مشترکہ مقاصد پر تعاون کر سکتے ہیں۔ اس طرح تعلیم اختلاف کو محض فاصلے کا سبب سمجھنے کے بجائے اسے تعمیری مکالمے اور باہمی سیکھنے کا ذریعہ بنانے میں مدد دیتی ہے۔ مکالمے کی یہ تربیت طلبہ میں دوسروں کے نقطہ نظر کو سمجھنے، اپنے موقف کو دلیل کے ساتھ پیش کرنے اور اختلاف کے باوجود باہمی احترام برقرار رکھنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ جب تعلیمی اداروں میں مختلف پس منظر رکھنے والے طلبہ کو مشترکہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کے مواقع ملتے ہیں تو ان کے درمیان براہ راست تعلق اور باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں مذہبی اور ثقافتی اختلافات کے بارے میں قائم بعض عمومی تصورات اور فاصلے کم ہو سکتے ہیں۔ یوں تعلیم افراد کو یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ معاشرتی ہم آہنگی کا مطلب یکسانیت نہیں بلکہ اختلاف کے باوجود مشترکہ زندگی کے اصولوں پر اتفاق اور تعاون ہے۔

تاہم یہ بات اہم ہے کہ تعلیم بذاتِ خود سماجی ہم آہنگی کی ضمانت نہیں۔ اگر نصاب میں تعصب موجود ہو، استاد نفرت یا امتیاز کو فروغ دے، تعلیمی ادارے میں گروہی تفریق ہو یا طلبہ میں تنقیدی فکر کے بجائے اندھی تقلید پیدا کی جائے تو تعلیم الٹا سماجی تقسیم کو مضبوط کر سکتی ہے۔ اسی لیے تعلیمی عمل کے اثرات کا جائزہ صرف شرح خواندگی یا تعلیمی ڈگریوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس امر سے بھی لیا جانا چاہیے کہ تعلیم افراد کے رویوں، اقدار اور دوسروں کے ساتھ تعلقات کو کس سمت میں تشکیل دے رہی ہے۔ Martha C. Nussbaum نے بھی تعلیم کے ایسے تصور پر زور دیا ہے جو فرد میں تنقیدی سوچ، دوسرے انسانوں کو سمجھنے اور مختلف نقطہ نظر کے ساتھ معقول

طور پر معاملہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرے⁽¹⁵⁾۔ اس تناظر میں تعلیم سماجی ہم آہنگی کے لیے ایک تشکیلی قوت کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس کا نتیجہ تعلیمی مقاصد، نصاب، تدریسی طریقہ کار، استاد کے کردار اور تعلیمی ماحول کے مجموعی اثرات سے متعین ہوتا ہے۔ لہذا مذہبی رواداری اور سماجی ہم آہنگی کے لیے محض یہ کافی نہیں کہ نصاب میں رواداری کا ذکر کر دیا جائے؛ ضروری ہے کہ تعلیمی ادارے کا پورا ماحول احترام، انصاف، مکالمے، تعاون اور اختلاف رائے کے مثبت انتظام کی عملی مثال بنے۔

نصاب، استاد اور تدریسی عمل کا کردار

تعلیم کے ذریعے سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کے فروغ کا تعلق صرف تعلیمی اداروں کے قیام یا طلبہ کو معلومات فراہم کرنے سے نہیں بلکہ نصاب، استاد اور تدریسی ماحول کے مجموعی کردار سے ہے۔ نصاب طلبہ کے ذہنی تصورات اور اقدار کی تشکیل میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، استاد ان تصورات کو عملی تجربے میں منتقل کرتا ہے، جبکہ تعلیمی ماحول طلبہ کو باہمی تعامل اور اختلاف کے عملی آداب سکھاتا ہے۔ اس لیے اگر تعلیمی نظام کا مقصد سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری پیدا کرنا ہو تو ان تینوں عناصر کو باہم مربوط انداز میں تشکیل دینا ضروری ہے۔

سب سے پہلے نصاب کا کردار اہم ہے۔ نصاب محض معلومات کا مجموعہ نہیں بلکہ اس کے ذریعے معاشرے کے بارے میں ایک مخصوص تصور طلبہ تک منتقل ہوتا ہے۔ اگر نصاب میں مختلف مذہبی، ثقافتی اور سماجی گروہوں کا ذکر متوازن اور علمی انداز میں کیا جائے تو طلبہ میں تنوع کو سمجھنے اور اختلاف کے ساتھ رہنے کی صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس یک طرفہ تاریخی بیانیے، تحقیر آمیز زبان یا کسی گروہ کی مسلسل منفی تصویر کشی تعصب کو تقویت دے سکتی ہے۔ UNESCO نے بھی تعلیمی نصاب، درسی کتب اور تدریسی مواد کو رواداری کے فروغ کے اہم ذرائع قرار دیتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ تعلیم خوف، اخراج اور تعصب کے بجائے فہم، تنقیدی فکر اور باہمی احترام پیدا کرے⁽¹⁶⁾۔ اسلامی تناظر میں نصاب کی تشکیل میں انسانی کرامت، عدل، احترام اختلاف، حسن مکالمہ اور مشترکہ خیر جیسے اصولوں کو نمایاں کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید انسانوں کے تنوع کو تعارف کا ذریعہ قرار دیتا ہے (الحجرات: 13) اور مخالف گروہ کے ساتھ بھی عدل کا حکم دیتا ہے (المائدہ: 8)۔ اس لیے اسلامی تعلیمی نصاب میں مذہبی شناخت کے تحفظ کے ساتھ دوسرے انسانوں کے حقوق اور معاشرتی ذمہ داریوں کا شعور بھی پیدا ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب مذہبی اختلافات کو نظر انداز کرنا نہیں بلکہ انہیں علمی، اخلاقی اور متوازن انداز میں سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔

نصاب کے ساتھ استاد کا کردار بھی فیصلہ کن اہمیت رکھتا ہے۔ استاد طلبہ کے لیے صرف معلومات فراہم کرنے والا فرد نہیں بلکہ ایک عملی نمونہ ہوتا ہے۔ اس کا طرز گفتگو، مختلف آراء کے ساتھ برتاؤ، سوالات کا جواب دینے کا انداز اور اختلاف رائے کو قبول کرنے کی صلاحیت براہ راست طلبہ کی ذہنی و اخلاقی تشکیل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر استاد خود مخالف رائے رکھنے والے افراد کے لیے احترام کا رویہ اختیار کرتا ہے تو طلبہ میں بھی تحمل اور مکالمے کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر استاد تعصب، تحقیر یا نفرت پر مبنی زبان استعمال کرے تو بہترین نصاب بھی اپنے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکتا۔ UNESCO کی بین الثقافتی تعلیم سے متعلق رہنما ہدایات میں بھی اساتذہ کی تربیت کو مختلف ثقافتوں اور عقائد کے درمیان باہمی احترام اور افہام و تفہیم پیدا کرنے کے لیے بنیادی عنصر قرار دیا گیا ہے⁽¹⁷⁾۔

اسی طرح تدریسی طریقہ کار سماجی ہم آہنگی کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ محض لیکچر پر مبنی تدریس طلبہ کو معلومات تو فراہم کر سکتی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ وہ انہیں اختلاف، مکالمے اور اجتماعی مسائل سے نمٹنے کی عملی صلاحیت بھی دے۔ اس کے مقابلے میں بحث و مباحثہ، گروہی کام، باہمی تعاون پر مبنی تعلیم، عملی مطالعات اور منظم مکالمے جیسے طریقے طلبہ کو مختلف نقطہ نظر سننے، اپنی رائے دلیل کے ساتھ پیش کرنے اور دوسروں کے ساتھ تعاون کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اس طرح کمرہ جماعت یعنی کلاس روم خود ایک ایسی سماجی تجربہ گاہ بن جاتا ہے جہاں طلبہ تنوع کے ساتھ رہنے اور اختلاف کو پُر امن انداز میں منظم کرنے کی عملی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ مذہبی رواداری کے لیے بالخصوص مکالماتی تدریس اہم ہے۔ مختلف مذاہب اور مکاتب فکر کے بارے میں سوالات کو دبانے کے بجائے انہیں علمی اور مہذب گفتگو کے ذریعے سمجھنے کا موقع دینا طلبہ میں علمی تواضع اور تنقیدی فکر پیدا کرتا ہے۔ Martha C. Nussbaum کے مطابق معیاری تعلیم کا ایک اہم مقصد ایسی صلاحیتیں پیدا کرنا ہے جن کے ذریعے فرد اپنے معاشرے اور اپنی اقدار کو تنقیدی نظر سے دیکھنے اور دوسرے انسانوں کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے قابل ہو⁽¹⁸⁾۔ تاہم مکالمے کا مقصد تمام عقائد کو یکساں قرار دینا نہیں بلکہ اختلاف کو علمی اور اخلاقی طریقے سے سمجھنا ہے۔

یہاں تعلیمی ماحول بھی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ اگر ادارے میں طلبہ کے ساتھ مذہب، ثقافت، زبان، جنس، سماجی پس منظر یا کسی دوسرے امتیاز کی بنیاد پر غیر منصفانہ سلوک ہو تو نصاب میں رواداری کے اسباق مؤثر ثابت نہیں ہوں گے۔ طلبہ اسی چیز کو زیادہ گہرائی سے سیکھتے ہیں جس کا وہ عملی تجربہ کرتے ہیں۔ چنانچہ classroom interaction، ادارہ جاتی نظم، طلبہ کے درمیان تعاون اور اساتذہ کا مساوی رویہ خود ایک غیر رسمی نصاب

(hidden curriculum) کا کام کرتے ہیں۔ اسی لیے تعلیم میں رواداری کا فروغ صرف کتاب کے ایک باب کا موضوع نہیں بلکہ پورے تعلیمی ماحول کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ تاہم یہاں ایک اہم احتیاط ضروری ہے کہ رواداری کو محض اختلاف سے لا تعلقی یا ہر موقف کو درست تسلیم کرنے کے معنی میں نہ لیا جائے۔ علمی تعلیم کا مقصد طلبہ میں یہ صلاحیت پیدا کرنا ہے کہ وہ اپنے عقائد اور اقدار کو دلیل اور شعور کے ساتھ سمجھیں اور دوسروں کے مختلف عقائد کے ساتھ بھی انصاف اور احترام کا رویہ اختیار کریں۔ UNESCO کی تعریف بھی رواداری کو اپنے عقائد سے دست برداری نہیں بلکہ دوسروں کے حقوق اور اختلاف کے احترام سے تعبیر کرتی ہے⁽¹⁹⁾۔ اس توازن کے بغیر رواداری کا تصور یا تو محض رسمی اخلاقی نعرہ بن سکتا ہے یا مذہبی و فکری شناخت کے خاتمے سے خلط ملط ہو سکتا ہے۔ لہذا سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کے لیے مؤثر تعلیمی نظام وہ ہے جس میں نصاب متوازن ہو، استاد غیر جانب دار اور اخلاقی نمونہ ہو، تدریس مکالماتی اور تنقیدی ہو، اور تعلیمی ماحول احترام و تعاون پر قائم ہو۔ یہی عناصر تعلیم کو محض معلوماتی سرگرمی سے ایک مؤثر سماجی و اخلاقی تربیتی عمل میں تبدیل کرتے ہیں۔

اسلامی و معاصر تعلیمی تصور کا تجزیاتی مطالعہ

اسلامی اور معاصر تعلیمی تصورات کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو دونوں میں تعلیم کو فرد کی فکری تشکیل کے ساتھ اس کی سماجی زندگی کی تعمیر کا اہم ذریعہ سمجھنے کے واضح شواہد ملتے ہیں۔ تاہم دونوں کے فکری پس منظر اور ترجیحات میں بعض نمایاں فرق بھی موجود ہیں۔ اسلامی تصورِ تعلیم میں علم کو اخلاق، کردار اور ذمہ داری سے جدا نہیں کیا جاتا، جبکہ معاصر تعلیمی نظریات میں انسانی حقوق، مساوات، تنوع، critical thinking، dialogue اور inclusive citizenship جیسے تصورات زیادہ نمایاں ہیں۔ ان اختلافات کے باوجود دونوں تصورات کے درمیان متعدد ایسے مشترک پہلو موجود ہیں جو سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کے فروغ کے لیے مفید بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

اسلامی تصورِ تعلیم کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ علم کا مقصد صرف معلومات میں اضافہ نہیں بلکہ انسان کی اخلاقی اور عملی اصلاح بھی ہے۔ قرآن مجید علم اور تزکیہ نفس کو ایک دوسرے سے مربوط کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں تعلیم کے ساتھ تزکیہ کو بھی بیان کرتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعة: 2)۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیم میں علمی تربیت کے ساتھ اخلاقی و روحانی تربیت بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ امام غزالی کے ہاں بھی تعلیم کا مقصد محض ذہنی استعداد پیدا کرنا نہیں بلکہ انسان کی اخلاقی اصلاح اور اسے بہتر کردار کا حامل بنانا ہے⁽²⁰⁾۔ اس

کے مقابلے میں معاصر تعلیمی نظریات میں تعلیم کو فرد کو ایک متنوع اور باہمی طور پر مربوط معاشرے میں مؤثر شرکت کے قابل بنانے پر بھی مرکوز کیا گیا ہے۔ جان ڈیوی کے مطابق تعلیم جمہوری زندگی کے لیے ضروری تجربات اور سماجی عادات پیدا کرتی ہے، کیونکہ فرد عملی تعامل اور مشترکہ سرگرمیوں کے ذریعے اجتماعی زندگی کے تقاضوں کو سیکھتا ہے⁽²¹⁾۔ اسی طرح جدید بین الثقافتی تعلیم مختلف ثقافتوں، مذاہب اور نقطہ ہائے نظر کے درمیان مکالمے اور باہمی احترام کو سماجی ہم آہنگی کے لیے اہم قرار دیتی ہے⁽²²⁾۔

دونوں تصورات میں ایک نمایاں اشتراک انسانی احترام ہے۔ اسلامی تعلیمات انسانی کرامت کو عمومی اصول کے طور پر پیش کرتی ہیں: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ (الإسراء: 70)، جبکہ معاصر انسانی حقوق پر مبنی تعلیم فرد کے وقار، مساوات اور بنیادی آزادیوں کے تحفظ کو اہمیت دیتی ہے۔ اسی طرح اسلام عدل اور عدم جبر کو بنیادی اصول قرار دیتا ہے⁽²³⁾، جبکہ معاصر تعلیم میں شمولیت، مساوات اور عدم امتیاز کو سماجی ہم آہنگی کے بنیادی عناصر سمجھا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے دونوں کے درمیان ایک قابل ذکر نظریاتی قربت پائی جاتی ہے، اگرچہ ان اصولوں کی فلسفیانہ بنیاد اور تعبیر میں فرق موجود ہے۔ دوسرا مشترک پہلو مکالمہ اور اختلاف کے ساتھ مثبت تعامل ہے۔ اسلامی تعلیمات دعوت اور گفتگو میں حکمت اور بہترین اسلوب اختیار کرنے کی ہدایت دیتی ہیں (النحل: 125)، جبکہ معاصر تعلیمی نظریات طلبہ میں تنقیدی فکر، مکالمہ اور دوسروں کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کو ختم کرنا سماجی ہم آہنگی کی لازمی شرط نہیں؛ اصل ضرورت یہ ہے کہ اختلاف کو ایسے اخلاقی اور علمی طریقوں سے منظم کیا جائے جن سے باہمی احترام برقرار رہے۔ تاہم دونوں تصورات میں ایک اہم فرق بھی ہے۔ اسلامی تصورِ تعلیم ایک مخصوص دینی و اخلاقی worldview کے اندر علم کو دیکھتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ، انسان، اخلاق اور آخرت کے باہمی تعلق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے برعکس معاصر سیکولر تعلیمی تصورات میں تعلیم کی بنیاد عموماً انسانی خود مختاری، شہری مساوات، انسانی حقوق اور اجتماعی مفاد جیسے اصولوں پر رکھی جاتی ہے۔ اس فرق کو نظر انداز کر کے دونوں تصورات کو مکمل طور پر یکساں قرار دینا علمی طور پر درست نہیں ہوگا۔ البتہ سماجی ہم آہنگی، انسانی وقار، عدل، مکالمے، عدم تشدد اور دوسروں کے احترام جیسے عملی میدانوں میں دونوں سے مفید رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس تقابلی جائزے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ عصر حاضر میں سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کے لیے ایسا تعلیمی تصور زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے جو علم کو اخلاق سے، آزادی کو ذمہ داری سے، مذہبی شناخت کو احترام اختلاف سے، اور تنوع کو اجتماعی تعاون سے مربوط کرے۔ اسلامی تعلیمات اس سلسلے میں عدل، انسانی کرامت، عدم جبر، حسن مکالمہ اور

مشترکہ خیر کے اصول فراہم کرتی ہیں، جبکہ معاصر تعلیمی نظریات ان اصولوں کو تنقیدی فکر، بین الثقافتی مکالمے، جامع تعلیمی نظام اور عملی شرکت پر مبنی تعلیم جیسے طریقوں کے ذریعے تعلیمی سطح پر نافذ کرنے کے امکانات پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ دونوں کے درمیان با معنی مکالمہ ایک ایسے تعلیمی ماڈل کی تشکیل میں مدد دے سکتا ہے جو مذہبی شناخت کو محفوظ رکھتے ہوئے سماجی ہم آہنگی اور پُر امن بقائے باہمی کو فروغ دے۔ اس تصور میں تعلیم کا مقصد صرف علمی قابلیت پیدا کرنا نہیں بلکہ ایسے افراد کی تشکیل بھی ہے جو اختلاف کو سمجھنے، دوسروں کے حقوق کا احترام کرنے اور اجتماعی مسائل کے حل میں مثبت کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ یوں اسلامی اخلاقی اصولوں اور معاصر تعلیمی طریقہ ہائے کار کا باہمی امتزاج ایک متوازن اور ہم آہنگ معاشرتی ماحول کی تشکیل میں مؤثر ثابت ہو سکتا ہے۔

نتائج

1. تعلیم فرد کی فکری، اخلاقی اور سماجی تشکیل کا اہم ذریعہ ہے؛ اس لیے اسے محض معلومات کی منتقلی تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔
2. سماجی ہم آہنگی کا انحصار یکسانیت پر نہیں بلکہ مختلف افراد اور گروہوں کے درمیان اعتماد، احترام، عدل، شمولیت اور تعاون پر ہے۔
3. مذہبی رواداری کا مطلب اپنے مذہبی عقائد سے دست برداری نہیں، بلکہ اختلاف عقیدہ کے باوجود دوسرے انسانوں کے وقار، حقوق اور مذہبی وجود کا احترام ہے۔
4. اسلامی تعلیمات انسانی کرامت، عدل، عدم جبر، حسن مکالمہ اور مشترکہ خیر جیسے اصولوں کے ذریعے سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کی مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہیں۔
5. تعلیم اس وقت سماجی ہم آہنگی کے فروغ میں زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے جب نصاب، تدریسی طریقہ کار، استاد اور تعلیمی ماحول یکساں طور پر احترام اختلاف اور مکالمے کو فروغ دیں۔
6. تعلیم بذات خود رواداری کی ضمانت نہیں؛ اگر نصاب یا تدریسی عمل تعصب، نفرت اور گروہی امتیاز کو تقویت دے تو تعلیم سماجی تقسیم کو بھی بڑھا سکتی ہے۔
7. اسلامی اور معاصر تعلیمی تصورات میں انسانی احترام، عدل، مکالمہ، عدم تشدد اور سماجی تعاون جیسے متعدد مشترک پہلو موجود ہیں، اگرچہ دونوں کی فکری و فلسفیانہ بنیادیں مختلف ہیں۔
8. عصر حاضر میں ایک متوازن تعلیمی نظام کی ضرورت ہے جو مذہبی شناخت اور اخلاقی اقدار کو محفوظ رکھتے ہوئے تنوع، مکالمے اور پُر امن بقائے باہمی کی تربیت فراہم کرے۔

سفارشات

- نصاب میں انسانی کرامت، عدل، باہمی احترام، مذہبی رواداری اور پُر امن بقائے باہمی جیسے اصولوں کو محض نظری معلومات کے بجائے عملی تربیت سے مربوط کیا جائے۔
- مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے تعارف کو متوازن اور علمی انداز میں پیش کیا جائے تاکہ طلبہ میں تعصب اور غیر ضروری خوف کے بجائے فہم اور احترام پیدا ہو۔
- اساتذہ کی تربیت میں dialogue ، critical thinking ، conflict resolution اور intercultural understanding کو شامل کیا جائے۔
- تعلیمی اداروں میں مباحث، گروہی سرگرمیوں اور collaborative learning کے ذریعے طلبہ کو اختلاف رائے کے مہذب طریقے سکھائے جائیں۔
- مذہبی تعلیم کو محض معلوماتی یا حفظی انداز تک محدود رکھنے کے بجائے اس کے اخلاقی اور معاشرتی پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے۔
- تعلیمی اداروں کے مجموعی ماحول میں امتیازی رویوں کی حوصلہ شکنی اور مساوی احترام کو یقینی بنایا جائے۔
- ڈیجیٹل اور سوشل میڈیا کے دور میں طلبہ کو misinformation ، hate speech اور مذہبی تعصب پر مبنی مواد کی شناخت اور تنقیدی تجزیے کی تربیت دی جائے۔

خاتمہ

حاصل بحث یہ ہے کہ سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کے فروغ میں تعلیم ایک بنیادی اور مؤثر ذریعہ ہو سکتی ہے، لیکن اس کی تاثیر کا انحصار اس بات پر ہے کہ تعلیم کس نوعیت کی اقدار اور رویوں کو تشکیل دے رہی ہے۔ اسلامی تعلیمات انسانی کرامت، عدل، عدم جبر، حسن گفتگو، احترام اختلاف اور اجتماعی خیر کے ایسے اصول فراہم کرتی ہیں جو متنوع معاشرے میں پُر امن تعلقات کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ معاصر تعلیمی نظریات بھی تنقیدی فکر، بین الثقافتی مکالمے، جامع تعلیمی نظام اور پُر امن بقائے باہمی کے ذریعے انہی مقاصد کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیم کو محض معاشی یا پیشہ ورانہ ترقی کا ذریعہ سمجھنے کے بجائے اسے فکری، اخلاقی اور سماجی تشکیل انسان کا جامع عمل قرار دیا جائے۔ ایسا تعلیمی نظام جو علم کے ساتھ اخلاق، مذہبی شناخت کے ساتھ احترام اختلاف اور آزادی کے ساتھ ذمہ داری پیدا کرے، وہ نہ صرف بہتر فرد بلکہ زیادہ پُر امن، متوازن اور ہم آہنگ معاشرے کی تشکیل میں بھی مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے۔ مزید برآں، اگر تعلیمی اداروں میں مکالمے، باہمی

احترام، تعاون اور مشترکہ انسانی اقدار کو عملی تربیت کا حصہ بنایا جائے تو مختلف مذہبی اور ثقافتی گروہوں کے درمیان اعتماد اور مفاہمت کو مزید مضبوط کیا جاسکتا ہے۔ یوں تعلیم فرد کی علمی ترقی کے ساتھ اس کی اجتماعی ذمہ داری اور معاشرتی کردار کو بھی سنوار کر پُر امن بقائے باہمی کی مضبوط بنیاد فراہم کر سکتی ہے۔

حواشی

1: Leininger et al., "Social Cohesion: A New Definition and a Proposal for Its Measurement in Africa," Social Indicators Research, 2025

2: Leininger et al., 2021, p. 3

3: مجمع اللغة العربية بالقاهرة، المعجم الوسيط، ط4، القاهرة: مكتبة الشروق الدولية، 2004ء، ص447؛ ابن منظور، لسان العرب، بيروت: دار صادر، مادہ: «سج»

4: UNESCO, Declaration of Principles on Tolerance, Paris, 1995, Art. 1

5: Council of Europe, White Paper on Intercultural Dialogue: Living Together as Equals in Dignity, Strasbourg, 2008/2010

6: UNESCO, Guidelines on Intercultural Education, Paris, 2006

7: ابن عاشور، التحریر والتنوير، تونس: الدار التونسية للنشر، 1984ء، ج6، ص124

8: الطبري، جامع البيان عن تأويل آي القرآن، تحقيق: عبد الله بن عبد المحسن التركي، القاهرة: دار حجر، 2001ء، ج9، ص477

9: ابن هشام، السيرة النبوية، تحقيق: مصطفى السقا، إبراهيم الأبياري، عبد الحفيظ شلبي، القاهرة: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، 1955ء، ج2، ص119-123

10: البخاري، الصحيح، كتاب الجنائز، باب القيام للجنائز

11: UNESCO, Guidelines on Intercultural Education, Paris, 2006, pp. 8-9

12: John Dewey, Democracy and Education, New York: The Macmillan Company, 1916, pp. 86-87

13: UNESCO, Declaration of Principles on Tolerance, Paris, 1995, Art. 4

14: UNESCO, Guidelines on Intercultural Education, Paris, 2006, pp. 18-20

15: Martha C. Nussbaum, Cultivating Humanity: A Classical Defense of Reform in Liberal Education, Cambridge: Harvard University Press, 1997, pp. 9-11

16: UNESCO, Declaration of Principles on Tolerance, Paris, 1995, Art. 4

17: UNESCO, Guidelines on Intercultural Education, Paris, 2006, pp. 18-20

18: Martha C. Nussbaum, Cultivating Humanity: A Classical Defense of Reform in Liberal Education, Cambridge: Harvard University Press, 1997, pp. 9-11

19: UNESCO, Declaration of Principles on Tolerance, Paris, 1995, Art. 1

20: الغزالي، إحياء علوم الدين، بيروت: دار المعرفة، ج1، ص48-50

21: John Dewey, Democracy and Education, New York: The Macmillan Company, 1916, pp. 86-87

22: UNESCO, Guidelines on Intercultural Education, Paris, 2006, pp. 8-9

23: المائدة: 8؛ البقرة: 256

مصادر ومراجع

1. القرآن الکریم۔
2. ابن عاشور، محمد الطاهر، *التحریر والتأويل*، تونس: الدار التونسية للنشر، 1984ء۔
3. ابن هشام، عبد الملك بن هشام، *السيرة النبوية*، تحقيق: مصطفى السقا، إبراهيم الأبياري، عبد الحفيظ شلبي، القاهرة: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، 1955ء۔
4. ابن منظور، محمد بن مكرم، *لسان العرب*، بيروت: دار صادر، د.ت۔
5. البخاري، محمد بن إسماعيل، *المصحيح*، تحقيق: محمد زهير بن ناصر الناصر، بيروت: دار طوق النجاة، 1422هـ۔
6. الطبري، محمد بن جرير، *جامع البيان عن تأويل آي القرآن*، تحقيق: عبد الله بن عبد المحسن التركي، القاهرة: دار هجر، 2001ء۔
7. الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد، *إحياء علوم الدين*، بيروت: دار المعرفة، د.ت۔
8. مجمع اللغة العربية بالقاهرة، *المعجم الوسيط*، ط4، القاهرة: مكتبة الشروق الدولية، 2004ء۔
9. Dewey, John, **Democracy and Education: An Introduction to the Philosophy of Education**, New York: The Macmillan Company, 1916.
10. Nussbaum, Martha C., **Cultivating Humanity: A Classical Defense of Reform in Liberal Education**, Cambridge, MA: Harvard University Press, 1997.
11. UNESCO, **Declaration of Principles on Tolerance**, Paris: UNESCO, 1995.
12. UNESCO, **UNESCO Guidelines on Intercultural Education**, Paris: UNESCO, 2006.
13. Council of Europe, **White Paper on Intercultural Dialogue: Living Together as Equals in Dignity**, Strasbourg: Council of Europe, 2008.